بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

(۱)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱﴾ فَسِيْحُوْا
فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى

۲

اللہ[125] اور اُس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکوں کے لیے اعلان براءت ہے جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔[126] سو[127] (اے مشرکین عرب)، اب ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم

۱۲۵؎ اِس سورہ کی ابتدا میں 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' نہیں لکھی جاتی۔ اِس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین پر اُس عذاب کا اعلان کیا گیا ہے جو پیغمبروں کی تکذیب کے نتیجے میں اُن کے منکرین پر لازماً آتا ہے۔ خدا کی زمین پر یہ اُس کی آخری دینونت کی سرگذشت ہے جس میں مشرکین کے قتل عام اور اہل کتاب کو محکوم بنا لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ کی ابتدا جن الفاظ سے ہوئی ہے، اُن کے ساتھ کسی طرح موزوں نہیں تھا کہ خدا کی رحمت وشفقت کا حوالہ دیا جائے۔ یہ خدا کے جلال اور قہر وغضب کے ظہور کا موقع ہے، اِس لیے 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' سے ابتدا نہیں کی گئی۔

۱۲۶؎ دنیا میں انسان کو رہنے بسنے کا جو موقع دیا گیا ہے، وہ کسی حق کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ محض امتحان کے لیے ہے۔ پیغمبروں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد یہ امتحان پورا ہو جاتا ہے تو یہ ضرورت بھی اِس کے ساتھ ہی ختم ہو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲﴾ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ
بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ

اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہ اللہ (اپنے پیغمبر کا) انکار کرنے والوں کو رسوا کر کے رہے گا۔[۱۲۸] (پھر حج کا موقع آئے تو اِس سرزمین کے) سب لوگوں تک پہنچانے کے لیے بڑے حج کے دن[۱۲۹] اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلان عام کر دیا جائے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اُس کا رسول بھی۔[۱۳۰] اب اگر تم لوگ توبہ کر لو تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ پھیرو گے تو جان لو کہ تم اللہ سے

جاتی ہے کہ اُنھیں باقی رکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین اب اِسی مقام پر پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ آگے جس قتل عام کا حکم دیا گیا ہے، وہ خدا کی اِس سنت کا ظہور ہے کہ رسولوں کے مخاطبین اُن کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اِسی دنیا میں عذاب سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ اِس عذاب کا فیصلہ بھی خدا کرتا ہے اور جن پر یہ نازل کیا جاتا ہے، وہ بھی خدا کی طرف سے متعین کر کے بتا دیے جاتے ہیں۔ کوئی شخص، یہاں تک کہ خدا کا پیغمبر بھی اپنی طرف سے اِس کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سورۂ توبہ اِسی فیصلے کا اعلان ہے۔ تاہم اخلاقی لحاظ سے ضروری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے ساتھ تبلیغ و دعوت اور اتمام حجت کی مصلحت سے معاہدے کر رکھے ہیں، کسی اقدام سے پہلے اُنھیں ختم کر دیا جائے۔ یہ اُنھی معاہدات سے براءت کی گئی ہے۔ آیت میں لفظ 'بَرَآءَةٌ' کے بعد 'اِلٰی' ہے۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ یہاں 'ابلاغ' کا مفہوم بھی مضمر ہے۔ یعنی اِس دست برداری کی اطلاع اُن تک پہنچا دی جائے۔

۱۲۷؎ یہاں سے خطاب میں تبدیلی ہوئی ہے اور اُس کا رخ براہ راست مشرکین کی طرف ہو گیا ہے۔ یہ تبدیلی بتا رہی ہے کہ اِس دھمکی کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ یہ ایک فیصلہ کن دھمکی ہے جس کے نتائج اب پوری قطعیت کے ساتھ سامنے آنے والے ہیں۔

۱۲۸؎ عذاب سے پہلے چار ماہ کی یہ مہلت کب دی گئی؟ اِس کی کوئی حتمی تاریخ تو متعین نہیں کی جا سکتی۔ تاہم آگے کی آیتوں سے اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اُس وقت دی گئی، جب قریش کی طرف سے معاہدۂ حدیبیہ کی کوئی خلاف ورزی ابھی نہیں ہوئی تھی۔

۱۲۹؎ اِس سے مراد حج ہی ہے۔ اہل عرب عمرے کو حج اصغر اور اِس کے مقابلے میں حج کو حج اکبر کہتے تھے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ
عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴﴾ فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ

بھاگ نہیں سکتے۔ (اے پیغمبر)، اِن منکروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ وہ مشرکین، البتہ (اِس اعلان براءت سے) مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا، پھر اُس کو پورا کرنے میں اُنھوں نے تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی ہے۔ سو اُن کا معاہدہ اُن کی مدت تک پورا کرو، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں[131]۔ (بڑے حج کے

۱۳۰؎ مطلب یہ ہے کہ چار ماہ کی جو مہلت اوپر دی گئی ہے، اُس کے گزر جانے کے بعد اُن لوگوں کی داروگیر شروع کر دی جائے جن تک اعلان براءت کی اطلاع پہنچانا ممکن ہو۔ اِس کے بعد حج کے دن کا انتظار کیا جائے۔ اِس میں ملک کے کونے کونے سے لوگ جمع ہوں گے جن کی وساطت سے یہ اطلاع سرزمین عرب کے باقی سب لوگوں تک بھی پہنچا دی جائے کہ اللہ و رسول نے مشرکین سے براءت کا اعلان کر دیا ہے۔ خدا کی طرف سے جو مہلت اُنھیں ملی ہوئی تھی، اُس کی مدت پوری ہو گئی ہے، وہ اب عذاب کی زد میں ہیں۔ چنانچہ تمام معاہدات ختم کر دیے گئے ہیں اور آیندہ بھی اُن کے ساتھ کسی معاہدے کا امکان باقی نہیں رہا۔ اِس میں ضمناً یہ بشارت بھی ہے کہ عنقریب وہ موقع آنے والا ہے، جب مسلمان حج بھی کریں گے اور منکرین پر ایسا غلبہ بھی حاصل کر لیں گے کہ حج کے موقع پر اِس طرح کا اعلان کر سکیں۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ۹ ہجری میں اِس حج سے سعادت اندوز ہوئے۔ یہ حج سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں جس سے پورے عرب کے مشرکین تک اطلاع پہنچانے کا اہتمام کر دیا گیا*۔

۱۳۱؎ یہ اُن معاہدوں کا بیان ہے جو مذکورہ اعلان سے مستثنیٰ تھے۔ مدعا یہ ہے کہ غیر موقت معاہدے تو مہلت کی مدت گزر جانے کے فوراً بعد ختم ہو جائیں گے۔ اِسی طرح وہ معاہدے بھی ختم ہو جائیں گے جو اگرچہ موقت تھے، مگر فریق ثانی کی طرف سے اُن کی خلاف ورزی ہو چکی ہے۔ لیکن ایسے موقت معاہدے جن کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی، اُنھیں ختم نہیں کیا جائے گا، بلکہ قرارداده مدت تک برقرار رکھا جائے گا۔ مدت گزر جانے کے بعد، البتہ وہ بھی

* تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۲/ ۴۳۶۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ
كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں[۱۳۲] تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔[۱۳۳] پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔[۱۳۴] یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ اور اگر (اِس دارو گیر کے موقع پر) اِن مشرکوں میں سے کوئی شخص تم سے امان چاہے (کہ وہ

کالعدم ہوں گے اور جن مشرکین سے کیے گئے تھے، اُن کی دارو گیر بھی اُسی طرح شروع ہو جائے گی، جس طرح حکم دیا گیا ہے۔

۱۳۲؎ اِس سے وہ چار مہینے مراد نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، بلکہ وہی مہینے مراد ہیں جنھیں اصطلاح میں اشہر حرم کہا جاتا ہے۔ یہ تعبیر اِن مہینوں کے لیے بطور اسم و علم استعمال ہوتی ہے، اِس لیے عربیت کی رو سے کوئی اور مہینے مراد نہیں لیے جا سکتے۔ حج اکبر کے موقع پر جس اعلان کے لیے کہا گیا ہے، اُس کے بعد ۲۰ دن ذوالحجہ اور ۳۰ محرم کے باقی ہوں گے۔ یہ اُنھی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اِن دنوں میں چونکہ جنگ و جدال ممنوع ہے، اِس لیے یہ جب گزر جائیں تو اِس اعلان کے نتیجے میں جن لوگوں کے خلاف کارروائی کی ضرورت ہو، اُن کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا جائے، اِس سے پہلے کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ ذوالحجہ اور محرم کے پچاس دنوں کے لیے یہ تعبیر بالکل اُسی طرح اختیار کی گئی ہے، جس طرح ہم اپنی زبان میں بعض اوقات نومبر یا دسمبر کے مہینے میں کہتے ہیں کہ یہ سال گزر جائے تو فلاں کام کیا جائے گا۔

۱۳۳؎ یہ قتل عام کا حکم ہے جو مشرکین عرب کے لیے اُسی طرح کا عذاب تھا جو رسولوں کی تکذیب کے نتیجے میں اُن کے مخاطبین پر ہمیشہ نازل کیا جاتا رہا ہے۔

۱۳۴؎ یعنی خدا کے اِس عذاب سے بچنے کے لیے صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ وہ کفر و شرک سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیں، اِس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے ایمان و اسلام کی شہادت کے طور پر وہ نماز کا اہتمام کریں اور

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ﴿۶﴾

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

تمھاری دعوت سننا چاہتا ہے) تو اُس کو امان دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اُس کو اُس کے مامن تک پہنچا دو۔ یہ اِس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (خدا کی باتوں کو) نہیں جانتے[۱۳۵]۔ ۱-۶

اللہ اور اُس کے رسول کے ہاں اِن مشرکوں سے کوئی عہد کس طرح باقی رہ سکتا ہے[۱۳۶]؟ ہاں جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس (حدیبیہ میں) عہد کیا تھا[۱۳۷]، سو جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں،

ریاست کا نظم چلانے کے لیے اُس کے بیت المال کو زکوٰۃ ادا کریں۔ اِس کے بعد فرمایا ہے کہ 'فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ'، یعنی اُن کی راہ چھوڑ دو۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ ریاست اور قانون کی سطح پر ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اِس سے زائد کوئی مطالبہ کسی مسلمان سے نہیں کیا جا سکتا، اِس لیے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو خود اپنی حکومت میں اِس کی اجازت نہیں دی تو دوسروں کو کس طرح دی جا سکتی ہے۔

۱۳۵؎ یعنی دین و شریعت اور نبوت و رسالت سے زیادہ واقف نہیں ہیں، اِس وجہ سے رعایت کے مستحق ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ لمبے عرصے تک تبلیغ و دعوت کے بعد بھی اتمام حجت میں کوئی کسر رہ گئی ہو، لہٰذا اِن میں سے کوئی شخص اگر بات سننے اور سمجھنے کے لیے امان چاہتا ہو تو امان دے دو اور اللہ کا کلام اچھی طرح سنا اور سمجھا کر اُس کے مامن تک پہنچا دو تاکہ وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کر کے فیصلہ کر سکے کہ اُسے اسلام قبول کرنا ہے یا تلوار۔ اِس کے بعد، ظاہر ہے کہ اُس کے لیے بھی وہی حکم ہو گا جو اوپر بیان ہوا ہے۔

۱۳۶؎ یہاں سے روے سخن اُن لوگوں کی طرف ہو گیا ہے جو اِن مشرکوں کے لیے مزید مہلت کے خواہاں تھے۔ اُنھیں صاف نظر آ رہا تھا کہ اِس اعلان کے نتیجے میں اب اُنھیں اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور زمانۂ جاہلیت کے دوست احباب کے خلاف تلوار سونتنی پڑے گی۔ یہ لوگ چونکہ ضعیف الایمان تھے، اِس لیے قدرتی طور پر سخت آزمایش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ آگے جو کچھ فرمایا ہے، اِنھی کمزور مسلمانوں کی ذہنی کیفیت کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے۔

۱۳۷؎ اصل الفاظ ہیں: 'الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ'۔ زبان کے اسالیب سے واقف ہر شخص

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو،[۱۳۸] اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں[۱۳۹] ــــــ کس طرح باقی رہ سکتا ہے، جبکہ حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پالیں تو نہ تمھارے بارے میں کسی قرابت کا لحاظ کریں، نہ کسی عہد کا[۱۴۰]؟ اپنے منہ کی باتوں سے وہ تمھیں راضی کرنا چاہتے ہیں، مگر اُن کے دل انکار کر رہے ہیں اور اُن میں سے اکثر بدعہد ہیں۔ اللہ کی آیتوں کے عوض میں

اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ الفاظ اگر کسی معاہدے کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں تو صرف معاہدۂ حدیبیہ ہی کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی معاہدے مشرکین کے ساتھ کیے، اُن میں سے کوئی بھی مسجد حرام کے ساتھ اِس طرح کی نسبت سے تعارف کا سزاوار نہیں ہو سکتا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِس نسبت کے اظہار سے ایک طرف تو معاہدے کا تعارف ہو گیا۔ دوسری طرف اِس سے اُس کی غیر معمولی حرمت بھی واضح ہوئی کہ کوئی ایسا ویسا معاہدہ نہیں ہے، بلکہ اِس کی تکمیل جوار حرم میں ہوئی ہے جس سے زیادہ کوئی دوسری جگہ مقدس و محترم نہیں ہو سکتی۔“ (تدبر قرآن ۳/ ۵۴۳)

۱۳۸؎ یہ بات اگرچہ اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ایسے موقت معاہدے جن کی خلاف ورزی نہیں ہوئی، وہ باقی رہیں گے، لیکن معاہدۂ حدیبیہ کی اہمیت چونکہ غیر معمولی تھی اور یہ دس سال کے لیے کیا گیا تھا، اِس لیے سلسلۂ کلام کو روک کر متنبہ کر دیا ہے کہ یہ معاہدہ بھی اُس وقت تک باقی رہے گا، جب تک قریش اِس پر قائم رہتے ہیں۔

۱۳۹؎ اصل میں لفظ 'تَقْوٰی' آیا ہے۔ اِس کے لغوی معنی بچنے کے ہیں۔ جس چیز سے بچنے کی طرف اشارہ مقصود ہے، وہ سیاق سے مفہوم ہو رہی ہے، اِس لیے لفظوں میں بیان نہیں ہوئی۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ لفظ اِس طریقے سے استعمال ہوا ہے۔ لفظ 'فِسْق' کے معاملے میں بھی آگے یہی اسلوب اختیار فرمایا ہے۔

۱۴۰؎ اصل میں 'اِلًّا' اور 'ذِمَّةً' کے الفاظ آئے ہیں۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”تعلقات کی بنیاد دو ہی چیزوں پر ہوتی ہے۔ معاشرتی تعلقات کی بنیاد رشتۂ رحم و قرابت کے پاس و لحاظ پر اور سیاسی روابط کی بنیاد باہمی معاہدات کی عائد کردہ ذمہ داریوں کے احترام پر۔ پہلی کو 'اِل' سے تعبیر فرمایا ہے جو اُن

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

اُنھوں نے تھوڑی قیمت قبول کر لی،[۱۴۱] پھر اُس کی راہ سے رک گئے ہیں۔ یقیناً بہت برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ کسی مسلمان کے معاملے میں نہ اُنھیں کسی قرابت کا لحاظ ہے، نہ عہد کا اور وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ سو اگر توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔[۱۴۲] ہم اُن لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کی تفصیل کیے دے رہے ہیں جو جاننا چاہتے ہوں۔[۱۴۳] اور اُس عہد کے

حقوق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایک اصل و نسل، ایک جوہر و معدن سے ہونے یا قرابت اور پڑوس کی بنا پر ایک دوسرے پر آپ سے آپ قائم ہو جاتے ہیں۔ دوسری کو 'ذِمَّه' سے تعبیر فرمایا ہے جو اُن ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کسی معاہدہ میں شریک ہونے والی پارٹیوں پر از روے معاہدہ عائد ہوتی ہیں۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۵۴۲)

۱۴۱؎ یعنی دنیا کی متاع حقیر کو ترجیح دی اور خدا کی آیتوں کو چھوڑ کر اُسے اختیار کر لیا۔ آیت میں اِسے 'اِشْتِرَآء' سے تعبیر کیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں خرید و فروخت مبادلۂ اشیا کے طریقے پر ہوتی تھی۔ لفظ 'اِشْتِرَآء' میں یہ مفہوم اِسی سے پیدا ہوا ہے۔

۱۴۲؎ پیچھے اِنھی شرائط کے بعد فرمایا ہے کہ 'فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ'۔ یہاں اُس کی جگہ 'فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ' کے الفاظ ہیں۔ یہ دونوں تعبیرات مل کر حکم کا منشا ہر لحاظ سے واضح کر دیتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اِن شرائط کے پورا ہو جانے کے بعد اُن سے مزید کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا، قانون اور ریاست کے نقطۂ نظر سے وہ مسلمان سمجھے جائیں گے اور وہ تمام حقوق اُنھیں حاصل ہو جائیں گے جو ایک مسلمان کی حیثیت سے مسلمانوں کے نظم اجتماعی میں اُن کو حاصل ہونے چاہییں۔ اُن میں اور پہلے ایمان لانے والوں کے حقوق و فرائض میں کوئی فرق نہیں ہو گا اور اخوت کا یہ رشتہ قائم ہو جانے کے بعد وہ تمام ذمہ داریاں بھی اُن میں سے ہر ایک پر عائد ہو جائیں گی جو عقل و فطرت کی رو سے ایک بھائی پر اُس کے بھائی کے بارے میں عائد ہونی چاہییں۔

۱۴۳؎ یہ مسلمانوں اور کفار، دونوں کے لیے تنبیہ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مِّنۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَیۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ یَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾

اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ

بعد[144] بھی جو اُنھوں نے کر رکھا ہے، اگر وہ اپنے قول و قرار توڑ ڈالیں اور تمھارے دین میں عیب لگائیں تو کفر کے اِن سرخیلوں سے بھی لڑو۔[145] اِن کے قول و قرار کچھ نہیں، (اِس لیے آج نہیں تو کل اپنا عہد توڑ دیں گے، لہٰذا لڑو) تاکہ یہ (اِس کفر و شرک سے) باز آ جائیں۔ ۷-۱۲

(ایمان[146] والو)، کیا اب بھی اُن لوگوں سے نہیں لڑو گے جنھوں نے اپنے قول و قرار توڑ دیے ہیں

---

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

”...مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جاننا اور سمجھنا چاہیں، اُن کے لیے اِس باب میں اللہ کے احکام کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ کوئی ابہام باقی نہیں رہا ہے۔ اب اگر مسلمانوں میں سے کسی نے اِن مشرکین کے ساتھ اِس سے الگ ہو کر کوئی معاملہ کرنا چاہا تو اُس کی ذمہ داری خود اُسی پر ہے، اِسی طرح مشرکین میں سے اگر کسی نے اِس سے کچھ الگ امید باندھی تو اُس کی ذمہ داری بھی خود اُسی پر ہے۔“ (تدبرقرآن ۳/ ۵۴۴)

۱۴۴؎ یعنی معاہدۂ حدیبیہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اُس کے لیے یہ الفاظ عہد کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے آئے ہیں، اِن سے کوئی نیا معاہدہ مراد نہیں ہے۔

۱۴۵؎ اصل میں ’اَئِمَّةَ الْكُفْرِ‘ کے الفاظ ہیں۔ اِن کا اطلاق قریش کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہی پورے عرب کے سردار اور پیشوا تھے اور دین کے معاملے میں تمام اہل عرب اُنھی کے تابع تھے۔ مدعا یہ ہے کہ اگر قریش بھی اپنا معاہدہ توڑ دیں تو اُن سے بھی لڑو اور ایمان و اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو جہاں پاؤ، قتل کر دو۔ سرزمین عرب کے تمام مشرکین کے لیے یہی اللہ کا حکم ہے۔ اِس میں اب کسی کے لیے مزید رعایت کی گنجایش باقی نہیں رہی۔

۱۴۶؎ یہ سورہ چند شذرات کا مجموعہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر عذاب کے مراحل میں ہر مرحلے کی مناسبت سے نازل ہوئے اور اُنھی مراحل کی ترتیب کے ساتھ سورہ میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ اِن میں سے

اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۴﴾

اور جنھوں نے (اِس سے پہلے) رسول کو (اُس کے وطن سے) نکالنے کی جسارت کی تھی[۱۴۷] اور وہی ہیں جنھوں نے تم سے جنگ چھیڑنے میں پہل کی[۱۴۸]۔ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو، اگر تم فی الواقع مومن ہو۔ اُن سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے اُن کو سزا دے گا[۱۴۹] اور اُنھیں ذلیل وخوار کرے گا[۱۵۰] اور تمھیں اُن پر غلبہ عطا فرمائے گا اور مومنوں کے ایک گروہ کے کلیجے (اِس

پہلا شذرہ آیت ۱۲ پر ختم ہو گیا ہے۔ یہاں سے دوسرا شروع ہوتا ہے جس کی پہلی آیت ہی واضح کر دیتی ہے کہ یہ کچھ فصل سے نازل ہوا ہے، اِس لیے کہ اوپر جس معاہدے کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر توڑ دیں، یہ آیت بتا رہی ہے کہ وہ معاہدہ قریش نے توڑ دیا ہے۔

۱۴۷؎ مطلب یہ ہے کہ اِن کا یہ پہلا جرم نہیں ہے، اِس سے پہلے یہ خدا کے رسول کو اُس کے وطن سے نکالنے کی جسارت کر چکے ہیں۔ قرآن کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی تکذیب کے بعد جب کوئی قوم اُسے وطن سے نکالنے یا قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو اُس کی مہلت عمر بھی ختم ہو جاتی ہے۔ رسولوں کے باب میں یہی سنت الٰہی ہے۔ قرآن نے یہ اُسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اِس سے مزید وضاحت ہو گئی کہ یہ آیتیں قریش ہی سے متعلق ہیں، اِن کا کسی دوسرے قبیلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۴۸؎ یعنی جب ہجرت کے موقع پر قتل کر دینے میں کامیاب نہیں ہوئے تو قافلے کی حفاظت کا بہانہ کر کے حملہ آور ہو گئے اور اِس طرح خدا کے رسول اور اُس کے ساتھیوں کے خلاف صریح جارحیت کا ارتکاب کیا۔ یہ جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے جس سے اُس بات کی تائید ہوتی ہے جو پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ اِس جنگ کے لیے پیش قدمی تمام تر قریش کی طرف سے ہوئی تھی۔

۱۴۹؎ یہ قرآن نے خود صراحت فرما دی ہے کہ پیچھے جس قتل عام کا حکم دیا ہے، وہ درحقیقت خدا کا عذاب ہے جو آخری پیغمبر کے منکرین پر اُس کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے نازل کیا جا رہا ہے۔

۱۵۰؎ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ رسولوں کی تکذیب کا اصلی محرک استکبار ہوتا ہے اور استکبار کی سزا دنیا اور آخرت میں ذلت اور خواری ہی ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾
مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ

سے) ٹھنڈے کرے گا[151] اور اُن کے دلوں کا غم و غصہ دور فرمائے گا اور (اِن منکروں میں سے) جن کو چاہے گا، اللہ توبہ کی توفیق بھی دے گا۔ اللہ علیم و حکیم ہے[152]۔ ۱۳-۱۵

کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے، دراں حالیکہ اللہ نے اُن لوگوں کو ابھی جانا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اُس کے رسول اور اُن کے ماننے والوں کے سوا کسی کو دوست نہیں بنایا[153]۔ (یاد رکھو)، جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔ (تم اِنھیں بیت اللہ کے متولی سمجھتے ہو اور اِسی بنا پر اُن سے ہم دردی رکھتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ) اِن مشرکوں کو یہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۵۱؎ اُس گروہ کی طرف اشارہ ہے جسے اسلام لانے کے جرم میں برسوں ستایا گیا تھا۔ اُن کی دل داری کے لیے فرمایا ہے کہ جن سنگ دلوں کے ہاتھوں تم مظالم کا ہدف بنے رہے ہو، اب اُن کی سزا کا وقت آ گیا ہے۔ مطمئن رہو، یہ سزا ایسی عبرت ناک ہو گی کہ تمھارے سینے اِس سے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔

۱۵۲؎ مسلمانوں کا ایک گروہ آرزومند تھا کہ اُن کے اعزہ و اقربا عذاب الٰہی سے دوچار ہونے کے بجائے ایمان لے آئیں۔ یہ اُن کو خوش خبری دی ہے کہ تمھاری یہ آرزو بھی کسی حد تک پوری ہو جائے گی اور اللہ اپنے علم و حکمت کے مطابق جس کو چاہے گا، توبہ اور اصلاح کی توفیق بھی عطا فرمائے گا۔

۱۵۳؎ مطلب یہ ہے کہ ابھی جماعت کی تطہیر نہیں ہوئی اور وہ لوگ پوری طرح الگ نہیں ہوئے جو سچے مجاہدین ہوں اور اللہ و رسول اور اُن کے ماننے والوں کے سوا کسی کی دوستی اور قرابت کی پروا نہ کریں۔ اِس وقت جو دینونت برپا ہے، اُس کے لیے اُنھیں الگ کرنا ضروری ہے۔ یہ امتحان اِسی مقصد سے برپا کیا جا رہا ہے، ورنہ خدا کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ آسمان سے عذاب نازل کرتا اور جن لوگوں سے تمھیں لڑنے کے لیے کہا جا رہا ہے، اُنھیں اُسی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا، جس طرح عاد و ثمود صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے تھے۔

أُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ
فَعَسٰٓی اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ

حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدوں[154] کا انتظام کریں، درآں حالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں[155]۔ اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے[156] اور وہ ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں۔ اللہ کی مسجدوں کا انتظام کرنے والے تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانتے ہوں، نماز کا اہتمام کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں[157]۔ یہ لوگ، توقع ہے کہ راہ یاب ہوں گے[158]۔ کیا تم نے

۱۵۴؎ یہ قرآن کی بلاغت ہے۔ اِس سے مراد اگرچہ مسجد حرام ہی ہے، لیکن اللہ کی مسجدوں کے الفاظ سے حکم بھی عام ہو گیا ہے اور اُس کی علت بھی پوری طرح واضح ہو گئی ہے۔

۱۵۵؎ قریش اپنے شرک کا خود اعتراف کرتے تھے۔ اُسی کو یہاں کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ شرک کے ساتھ خدا کو ماننا اُس کو نہ ماننے کے مترادف ہے۔

۱۵۶؎ اللہ شرک کے ساتھ کسی نیکی کو بھی قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ جو اعمال وہ حرم کی خدمت کے لیے کر رہے ہیں، آخرت میں اُن کا کوئی اجر اُن کے لیے باقی نہ رہے گا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ’’...خدا کے ہاں صرف وہی نیکی باقی رہتی ہے جو توحید کے ساتھ ہو۔ مذہبی صحیفوں میں مشرک کو زانیہ عورت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ سارا چاؤ پیار بے کار ہے، اگر وہ بدکار ہے، اُسی طرح بندے کا سارا کیا دھرا برباد ہے، اگر وہ اپنے رب کا کسی کو شریک ٹھیراتا ہے۔‘‘ (تدبر قرآن ۳/ ۵۵۰)

۱۵۷؎ یعنی اُن کے اندر کسی غیر اللہ کا خوف نہ ہو۔ یہ شرک کے اصلی محرک سے اُس کی نفی کی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ حرم کی تولیت، بے شک اولاد ابراہیم کے سپرد کی گئی ہے، مگر اِس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُن صفات کے حامل بن کر رہیں جو اِس منصب کے لیے بنیادی شرائط کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اِن میں اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔

۱۵۸؎ اصل میں لفظ ’اِهْتِدَآء‘ استعمال ہوا ہے۔ یہ ہدایت منزل کے مفہوم میں ہے۔ یعنی کامیابی کے ساتھ اُس منزل تک پہنچیں گے جو آخرت میں اُن کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ آیت میں ’عَسٰی‘ کا لفظ بھی قابل توجہ ہے۔ استاذ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کا انتظام کر دینے کو اُن لوگوں کے برابر کر دیا ہے جو اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (حقیقت یہ ہے کہ مسجد حرام کے اِن مجاوروں نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے) اور (اب) اللہ اِن ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔[159] اللہ کے ہاں اُن لوگوں کا درجہ بڑا ہے[160] جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی کامیاب ہوں گے۔ اُن کا پروردگار اُنھیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جن میں اُن کے لیے دائمی نعمت ہے۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اجر عظیم اللہ ہی کے پاس ہے۔ ۱۶-۲۲

امام لکھتے ہیں:

''...اِس بات کو 'عَسٰی' کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے۔ اِس میں قدم قدم پر مشکلات اور آزمایشیں ہیں۔ صرف وہی لوگ جادۂ مستقیم پر استوار رہ سکتے ہیں جن کے پاس توفیق الٰہی کا زادِ راہ ہو اور جن کو خدا سے استعانت کا سہارا حاصل ہو۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۵۵۰)

۱۵۹؎ یعنی اُس منزل تک پہنچائے گا جو آخرت میں اہل ایمان کی منزل ہے۔

۱۶۰؎ یہ تقابل کے لیے نہیں، بلکہ تفخیم شان کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کا درجہ اللہ کے ہاں بہت اونچا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ
وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۣ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ

ایمان[۱۶۱] والو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو لوگ اُنھیں دوست بنائیں گے، وہی (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے ہوں گے۔ اِن سے کہہ دو، (اے پیغمبر) کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا خاندان اور تمھارا وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کے مندے سے تم ڈرتے ہو اور تمھارے وہ گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو،[۱۶۲] یہ سب تمھیں اللہ سے، اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ میں

۱۶۱؎ یہاں سے تیسرا شذرہ شروع ہوتا ہے۔ اِس کے مضامین سے واضح ہے کہ یہ ۹ رہجری میں کسی وقت اُس حج سے پہلے نازل ہوا ہے جس میں تمام اہل عرب سے اعلان براءت کیا گیا تھا۔

۱۶۲؎ یہ جن مرغوبات کی فہرست ہے، اُن میں، اگر غور کیجیے تو نہایت لطیف نفسیاتی ترتیب ملحوظ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... پہلے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی اور خاندان کو لیا ہے جن کی محبت یا عصبیت آدمی کے لیے حق کی راہ میں حجاب اور آزمایش بنتی ہے۔ پھر اموال، کاروبار اور مکانات کا ذکر کیا ہے جو اصلاً مذکورہ متعلقین ہی کے تعلق سے مطلوب و مرغوب ہوتے ہیں اور آدمی صاحب توفیق نہ ہو تو اُس کے لیے یہ فتنہ بن جاتے ہیں۔ اموال کے ساتھ 'اِقْتَرَفْتُمُوْهَا' کی قید ہے۔ 'اِقْتِرَاف' کے معنی اکتساب کے ہیں۔ یہ قید اُس مال کے محبوب ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس مال کو آدمی نے خود کمایا اور بڑھایا ہو، وہ اُس کو زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اِسی طرح 'تجارت' کے ساتھ 'تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا' کی قید اِس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ تجارت کامیاب اور چلتی ہوئی تجارت ہے، اِس لیے کہ کامیاب اور چلتی ہوئی تجارت ہی وہ چیز ہے جس کے متعلق تاجر کو ہر وقت یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ اُس پر کساد بازاری کا جھونکا نہ آجائے اور اِس خطرے سے اُس کو بچائے رکھنے کے لیے وہ سارے جتن کرتا ہے، یہاں تک کہ وہی اُس کی معبود بن جاتی ہے۔ پھر نہ تو اُسے حلال و حرام کی تمیز باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہجرت، جہاد اور اللہ کی راہ میں قطع علائق کی آزمایشیں اُسے گوارا ہوتیں۔ فرمایا کہ اِن میں سے ہر چیز ایک بت ہے اور جب

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾
لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ
تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْءًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾
ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا

جہاد سے زیادہ عزیز ہیں[۱۶۳] تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے[۱۶۴] اور (جان لو کہ) اِس طرح کے بدعہدوں کو اللہ راہ یاب نہیں کرے گا۔[۱۶۵] حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمھاری مدد کی ہے۔ ابھی حنین کے دن بھی، جب تم اپنی کثرت پر اترا رہے تھے۔ پھر وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بالآخر اللہ نے اپنے رسول پر اور اُس کے ماننے والوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی[۱۶۶] اور (اُن کی مدد کے لیے) ایسی

تک بندہ اللہ کی خاطر اِن میں سے ہر بت کو توڑنے کے لیے تیار نہ ہو جائے، وہ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۵۵۳)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۶۳؎ یہ چیز اُس وقت واضح ہو جاتی ہے، جب ایک طرف اللہ و رسول کا مطالبہ ہو اور دوسری طرف اِن چیزوں کی محبت کا کوئی مطالبہ سامنے آ جائے۔ آدمی اگر اُس وقت اللہ و رسول کے مطالبے کو مقدم نہ رکھے تو اِس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ اُس کو اللہ و رسول سے زیادہ یہ چیزیں محبوب ہیں۔ ایمان و اسلام کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں محبوب نہ ہوں، بلکہ صرف یہ ہے کہ اللہ و رسول اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

۱۶۴؎ یعنی اُسی انجام بد تک پہنچا دے جو اوپر مکذبین کے لیے بیان ہوا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اوپر جس ترجیح کا ذکر ہوا ہے، وہ ایمان کا ایسا تقاضا ہے کہ جسے پورا نہ کیا جائے تو مومن و کافر اپنے انجام کے لحاظ سے یکساں ہو سکتے ہیں۔

۱۶۵؎ اوپر مشرکین کے بارے میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ اُنھیں راہ یاب نہیں کرے گا۔ یہاں وہی بات اُن لوگوں کے متعلق فرمائی ہے جو ایمان و اسلام کا عہد باندھ لینے کے بعد منافقت کا رویہ اختیار کریں اور اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے انکار کر دیں۔

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

فوجیں اتار دیں جنھیں تم نے نہیں دیکھا[167] اور اُن لوگوں کو سزا دی جو (پیغمبر کے) منکر ہیں، اور اِس طرح کے منکروں کی یہی سزا ہے۔[168] پھر (دیکھ چکے ہو کہ) اللہ اِس کے بعد جس کو چاہتا ہے، توبہ کی توفیق بھی دیتا ہے۔ اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔[169] ۲۳-۲۷

ایمان والو، یہ مشرکین بالکل ناپاک ہیں، لہٰذا اپنے اِس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے

۱۶۶؎ یعنی دلوں میں عزم، حوصلہ اور قرار پیدا کر دیا۔

۱۶۷؎ فرشتوں کی غیبی فوجوں کی طرف اشارہ ہے جو زمانۂ رسالت کی مہمات میں ہمیشہ مسلمانوں کے ہم رکاب رہتی تھیں۔

۱۶۸؎ جن مذبذبین کو اوپر قتال کے لیے ابھارا ہے، یہ اُن کی ہمت افزائی فرمائی ہے کہ جس کام کے لیے تمھیں کہا جا رہا ہے، وہ خدا کا کام ہے۔ تمھاری کثرت وقلت اُس میں کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ اِس سے پہلے بھی وہ خدا کی مدد سے ہوا ہے اور اب بھی اُسی کی مدد سے ہوگا۔ اُس پر بھروسا رکھو۔ تم نے تقویٰ اختیار کیا اور ثابت قدم رہے تو وہ کسی حال میں تمھیں اپنی مدد سے محروم نہیں کرے گا۔ اِس میں خاص طور پر غزوۂ حنین کا حوالہ دیا ہے۔ یہ غزوہ فتح مکہ کے بعد شوال ۸ ہجری میں مکے اور طائف کے درمیان وادی حنین میں پیش آیا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اِس میں ۱۲ ہزار فوج تھی جسے اُس وقت کے حالات میں ایک لشکر جرار کہا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف منکرین اُن کے مقابلے میں بہت کم تھے۔ لیکن اِس کے باوجود قبیلۂ ہوازن کے تیراندازوں نے اُن کا منہ پھیر دیا اور مسلمان شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اِس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُس دن وہ اپنی کثرت تعداد کے غرے میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ بہتوں کے اندر نہ خدا کی یاد کی طرف توجہ باقی رہی، نہ نظم واطاعت اور اخلاص وانابت کا وہ اہتمام رہا جس کی تاکید پیچھے سورۂ انفال میں کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چند مٹھی بھر صحابہ، البتہ پوری استقامت کے ساتھ جمے رہے۔ چنانچہ اُنھی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کچھ تذکیر وتنبیہ کے بعد مدد فرمائی اور بالآخر فتح حاصل ہو گئی۔*

---

* السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۴/ ۶۹۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عَامِهِمْ هٰذَا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾

پائیں[۱۶۹] اور (اِس کے نتیجے میں) اگر تمھیں تنگ دستی کا اندیشہ ہے تو (مطمئن رہو)، اللہ چاہے گا تو عنقریب اپنے فضل سے تمھیں غنی کر دے گا[۱۷۱]۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ علیم و حکیم ہے[۱۷۲]۔ ۲۸

۱۶۹؎ یہ وہی مضمون ہے جو اوپر آیت ۱۵ میں گزر چکا ہے۔

۱۷۰؎ جس اعلان براءت سے سورہ کی ابتدا ہوئی ہے، یہ اُسی کی تکمیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین عقیدے کی جس نجاست میں مبتلا ہیں، اُس کے ساتھ یہ حج و عمرہ کے لیے بھی حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکتے۔ بیت اللہ توحید کا مرکز ہے، اِس میں اب اِن میں سے کسی مشرک کا داخل ہونا گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کے پیغمبر کی تکذیب کے بعد اِن کے لیے اسلام ہے یا تلوار۔ تاہم معاہدات کی مدت پوری کرنے کے لیے کسی کو مہلت بھی دی گئی ہو تو اِس سال کے بعد اُسے حرم میں آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہ حکم، ظاہر ہے کہ اُنھی مشرکین کے لیے تھا جن کے شرک کی نجاست اُن پر اتمام حجت کے درجے میں واضح کر دی گئی تھی۔ اِس کا اُن لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اُن کے بعد اب توحید کے اِس مرکز کو دیکھنے اور اِس کی دعوت کو سمجھنے کے لیے وہاں جانا چاہتے ہوں۔

۱۷۱؎ حج کو اُس زمانے میں تجارت اور کاروبار کے پہلو سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ اُسی کے پیش نظر فرمایا ہے کہ اِس حکم سے کسی کو تشویش نہ ہو کہ مشرکین نہیں آئیں گے تو اِس سے کاروبار اور تجارت پر برا اثر پڑے گا جس سے مسلمانوں کی معاشی حالت جو پہلے ہی خراب ہے، خراب تر ہو جائے گی۔ لوگ مطمئن رہیں۔ خدا کی مدد اُن کے شامل حال ہے۔ وہ عنقریب اِس پہلو سے بھی اُن کو مستغنی کر دے گا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ وعدہ پورا ہوا اور اِس طرح پورا ہوا کہ ایک دن کے لیے بھی مکہ کی تجارت اِس بندش سے متاثر نہ ہوئی اور کچھ عرصہ بعد تو یہ حال ہوا کہ مصر و شام اور روم و ایران کے خزانے بھی اونٹوں پر لد لد کر اسلام کے بیت المال میں پہنچنے لگے اور اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اِس طرح غنی کر دیا کہ لوگ اپنی زکوٰۃ کا مال مدینہ کی گلیوں میں لیے پھرتے تھے، لیکن اُس کا کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔“ (تدبر قرآن ۳/۵۵۶)

اِس میں مسلمانوں کے لیے یہ سبق ہے کہ وہ اگر ایمانی اقدار کی حفاظت کے لیے کسی وقت اپنے معاشی مصالح قربان کریں گے تو اُنھیں خدا پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ وہ اُن کے نقصان کی تلافی کے لیے ایسی راہیں کھول سکتا ہے جن

کا وہ گمان بھی نہ رکھتے ہوں۔

۲۷۱؎ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے لحاظ سے سوچتے ہو، لیکن اللہ علیم و حکیم ہے، اُس نے یہ حکم دیا ہے تو اِس کے نتائج و عواقب بھی اُس سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اُس پر بھروسا رکھو، اُس کے تمام کام علم و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

[باقی]

''یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ انسان خدا سے محبت نہیں کر سکتا۔ خدا مخفی ضرور ہے، لیکن اس کے مخفی ہونے کی مثال یوں ہے کہ گویا تل کے اوٹ میں پہاڑ ہو۔ آسمان اور زمین کے ہر گوشے سے اس کی منادی ہو رہی ہے۔ ابر اور ہوا سب اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ دریا اور پہاڑ سب اس کے گواہ ہیں۔ پرندے اس کی حمد کے گیت گاتے اور درخت ان کے نغموں سے سرشار ہو کر جھوم رہے ہیں۔ اس دنیا کے ذرہ ذرہ پر اس کا نقش کندہ اور ایک ایک پتا پر اس کی گواہی ثبت ہے۔ ایک ایسی ذات کو مخفی سمجھنا انسان کی اپنی عقل کا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ مخفی نہیں، بلکہ بدیہی ہے، بلکہ صحیح تر لفظوں میں یوں کہیے کہ ابدہ البدیہیات ہے۔'' (''تزکیۂ نفس''، از مولانا امین احسن اصلاحی ۲/ ۶۰)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com